ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی

پروفیسر، شعبہ اردو

گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، لاہور

میر کے شکار نامے: ایک جہانِ دیگر (ماحولیاتی تنقیدی مطالعہ)

Abstract:

The critical discourse established in urdu on the poetry of Meer Taqi Meer gave more impotance to his ghazal and paid less attention to his 'Masnaviat' especially his 'Shikar nama'.This is the reaon why Meer's concept of love and cocept of sorrow was discused more,but concept of nature and his unique relationship with nature remained out of sight.These poems tells the hunting story of Nawab Asif ud dola of Luknow with whome Meer travelled to the forests of district Behraich and Peli bhet,where he firstly experienced the real nature very closely.so that he presented the entire and very true picture of nature in these poems.These poems are everfirst poetic expression of true nature and fantastic example of wilderness writting and pastoralism in urdu poetry.This unique style of poetry also reveals his ecological conciousness.The article presents an ecolgical study of these poems.

Key Words: Masavi. Asif ud dola, Nature, Pastoralism, Anthropocentrism

میر کی شعری دنیا وسیع اور متنوع بھی ہے اور حیران کن بھی۔اس حیرانی کا سبب وہ جہانِ دیگر ہے جو عمومی مرکزی شعریات سے انحراف کرتا ہے یا اس کے متوازی شعریات کا سراغ دیتا ہے۔یہ جہان خارجی فطرت سے میر کے آزادانہ ربط و تعلق، اشیا و مظاہر سے میر کی انسیت و یک دردی اور اشرافیائی شعریات کو چیلنج کرنے سے متشکل ہوا ہے۔یہ جہان میر کی ذات اور شخصیت کے گرد بُنے گئے قنوطیت کے مفروضاتی ہالے کی شکست کا باعث بھی ہے۔اس کا اظہار میر کی غزل میں بھی ہوا ہے اور مثنویات میں بھی لیکن غزل میں کم اور مثنویات میں زیادہ۔اس فرق کی وجہ ان دو اصناف کا مزاج ہے۔غزل کا مزاج داخلی ہے؛یہ داخلی فطرت کی نمائندگی کرتی ہے، جس کے لیے بار بار خارج سے ربط استوار کرتی ہے لیکن اظہار کے پیمانے لے کر لوٹ آتی ہے۔یہ تعلق زبان کے

مجازی اظہار کا وسیلہ ہے۔ غزل میں فطرت کے خارجی مظاہر انسانی حُسن سے تقابل و موازنے، باطنی کیفیات کے اظہار یا دیگر معاملات کے لیے بہ طور تشبیہ، استعارہ اور علامت برتے گئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ غزل نے فطرت سے مکمل بے اعتنائی برتی ہے لیکن غزل کی روایت میں فطرت کے قائم بالذات جداگانہ اظہار کا حصہ بہت کم ہے۔ البتہ میر کا معاملہ اپنے ہم عصروں سے مختلف ہے۔ کلام میر کا مربوط مطالعہ میر کے ایسے تصور کائنات کا پتا دیتا ہے جو خارجی مظاہر پر مسلسل غور و تدبر سے عبارت ہے:

ہر مشتِ خاک یاں کی چاہے ہے اک تامل

بن سوچے راہ مت چل، ہر گام پر کھڑا رہ (۱)

اس باغ کے ہر گل سے چپک جاتی ہیں آنکھیں

مشکل بنی ہے آن کے صاحب نظروں کو (۲)

بد قسمتی سے میر کی شاعری پر قائم ہونے والے ڈسکورس میں میر کا وہ کلام زیادہ زیر بحث رہا ہے جو میر کی باطنی دنیا، اس کے تصور عشق اور تصور غم والم کو پیش کرتا ہے اور وہ حصہ زیادہ توجہ حاصل نہ کر سکا جو فطرتی دنیا سے میر کے ربط و تعلق کی نشاندہی کرتا ہے۔ حالانکہ میر اس جہان سے سرسری نہیں گزرا، اس نے قدم قدم پر اس جہان کا مشاہدہ کیا اور اس سے ایک فلسفیانہ، جمالیاتی اور رومانی رشتہ بھی استوار کیا ہے۔ اردو کی کلاسیکی اصناف میں مثنوی وہ واحد صنف ہے جو خارجی فطرت سے بالخصوص فطرت کے ٹھوس مادی مظاہر سے براہ راست رشتہ قائم کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ یہ رشتہ فلسفیانہ و جمالیاتی بھی ہے اور رومانی و جذباتی بھی۔ مثنوی بیانیہ صنف ہے اور اس کا پھیلاؤ زیادہ ہے اس لیے اس کے دامن میں خارجی دنیا کی مادی حقیقتوں اور اشیا و مظاہر کو سمیٹنے کی گنجائش بھی زیادہ ہے۔ یہ ایک ایسے سماج کو پیش کرتی ہے (یا کر سکتی ہے) جس میں انسان کے ساتھ درخت، نباتات، بہائم و طیور اور دیگر فطرتی مظاہر برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اردو کی معروف مثنویوں مثلاً سحر البیان، گلزار نسیم اور دیگر میں درخت، پودے، پھول اور پرندے زندہ اور ناطق وجود کے طور پر ظہور کرتے ہیں۔

میر نے ۳۸ مثنویاں تخلیق کی ہیں۔ (۳) ان میں سے ۹ مثنویاں عشقیہ ہیں۔ یہ عشق کے ہمہ گیر تصور کو پیش کرتی ہیں۔ کچھ ہجویہ ہیں۔ ''مثنوی نسنگ نامہ'' ایک سفر کی داستان ہے جو برسات کی کیفیت اور بارش کی وجہ سے پیش آنے والی مشکلات کو بیان کرتی ہے۔ ''مثنوی در بیان ہولی'' اور ''مثنوی در جشن ہولی و کتخدائی'' معاشرتی تیوہاروں کی عکاسی کرتی ہیں۔ جب کہ ''مثنوی در بیان مرغ بازاں''، ''اژدر نامہ''، ''مثنوی بچہ کپی''، ''مثنوی

موہنی بلی"، "مثنوی در تعریف سگ و گربہ۔۔۔"، "مثنوی دربیان بز"، "مثنوی مور نامہ" اور "شکار نامہ (اول ودوم) جانوروں اور پرندوں کی عادات وخصائل اور فطرتی مناظر کو پیش کرتی ہیں۔ان مثنویوں "ماحولیاتی مثنویوں" کاٹائٹل تفویض کیا جاسکتا ہے۔ان میں اشیاو مظاہر کی کثرت ہے اور یہ وہ معمولی اور نظرانداز کردہ اشیاو مظاہر ہیں جو اردو کی عمومی شعریات کا حصہ نہیں تھے۔مثنوی کی عمومی روایت فطرت سے تعلق قائم ضرور کرتی ہے لیکن جس معاشرت اور تہذیب کو پیش کرتی ہے وہ شہری اور اشرافیائی معاشرت و تہذیب ہے۔میر نے نہ صرف معمولی مظاہر کو مرکز میں جگہ دی بلکہ شہری آراستہ فطرت کے مقابل ایک خام اور خالص فطرت کو اشرافیائی شعریات کے مقابل پیش کیا۔میر کے علاوہ اردو شاعری میں یہ کام نظیر اکبر آبادی، اکبر الٰہ آبادی اور بیسویں صدی کے جدید شاعر مجید امجد نے بھی کیا ہے۔میر کا معاملہ اکبر اور نظیر دونوں سے مختلف ہے۔اکبر کے پیش نظر ایک سیاسی مقصد تھا۔اس نے فرنگی تہذیب کے مظاہر اور انگریزی الفاظ کو اپنے ڈکشن کا حصہ بنایا لیکن اس کا مقصد استعمار کے خلاف مزاحمت اور طنز تھا۔نظیر اکبر آبادی کا تعلق عام اور عوامی زندگی سے تھا۔اس کے ہاں ان مظاہر،اشیا، مقامات اور الفاظ کی کثرت تو ہے جو عموی شعریات کا حصہ نہیں تھے لیکن یہ کثرت کسی خاص معانی سے تہی محض اسماشماری کی حد تک ہے۔جب کہ میر اور مجید امجد کے ہاں فطرت سے تعلق اور رشتے کی نوعیت بڑی حد تک ایک دوسرے سے مماثل ہے۔یہ دونوں جانوروں، پرندوں اور اشیا سے الفت، موانست اور یک دردی کا رشتہ استوار کرتے ہیں۔ان دونوں کے ہاں بھی ایک فرق کو نشان زد کرنا ضروری ہے۔میر کے ہاں بلی، بکری اور سگِ مادہ سے والہانہ محبت کا اظہار تو ملتا ہے لیکن یہ اظہار کسے بڑے مفہوم سے عاری ہے جب کہ مجید امجد چیونٹی، بیل، چڑیا، درخت اور دوسرے مظاہر سے محبت اور ہمدردی کو اعلا فلسفیانہ، اخلاقی اور جمالیاتی مفاہیم سے ملا دیتے ہیں۔البتہ "مور نامہ" میں میر نے غلبہ پسند ہیومنزم کے خلاف فطرت کا مقدمہ پوری تخلیقی توانائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔مور (ناانسان) اور رانی (انسان) کا دوطرفہ عشق بشر مرکزی سماج کے لیے مافوق الفطرت اور ناقابل تسلیم ہو سکتا ہے لیکن فطرت پسند سماج کے لیے قابل قبول ہے۔گزشتہ سطور میں ہم نے میر کے فطرت سے جس ربط و تعلق اور گہرے ماحولیاتی شعور پر اصرار کیا ہے اس کا واضح اظہار میر کے شکار ناموں میں ہوتا ہے۔یہ شکار نامے اردو میں بن نگاری (Wildeness Writing) اور حیاتیاتی مقامیت (Bio.regionalism) کے اولین اور بہترین نمونے ہیں۔نیز اپنے اسلوب، ڈکشن، تخلیقی اپج، محاکات اور منظر نگاری کی وجہ سے بھی اردو شعری روایت میں منفرد اور جداگانہ اہمیت کے حامل ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے "تاریخ ادب اردو" میں ان شکار ناموں کے اسلوب اور زبان کو مبالغے کی حد تک سراہا ہے۔(۴)

یہ شکار نامے نواب آصف الدولہ کی معیت میں بہرائچ اور پیلی بھیت کی طرف میر کے سفر کا حاصل ہیں۔ ۱۱۹۵ھ میں سودا کی وفات کے بعد نواب آصف الدولہ کو میر کا خیال آیا۔ انھوں نے اپنے ماموں سالار جنگ سے اس خواہش کا اظہار کیا، جنھوں نے ایک خط کے ساتھ کچھ زادِ راہ بھی ارسال کیا، یوں ۱۱۹۶ھ کے اوائل میں میر لکھنؤ پہنچے اور نواب کے دربار سے وابستہ ہوئے۔(۵) جب نواب نے بہرائچ اور دامن کوہ شمالی (پیلی بھیت) کی جانب سفر کیا تو میر بھی ان کے ہم رکاب تھے۔ میر نے اپنی آپ بیتی ''ذکرِ میر'' میں ان اسفار اور شکار ناموں کا ذکر کیا ہے۔(۶) محققین نے ان شکار ناموں کا زمانہ تصنیف ۱۱۹۸ھ سے ۱۲۰۲ھ کے مابین بتایا ہے۔ ''ذکرِ میر'' کے مترجم نے یہ زمانہ محرم ۱۱۹۹ھ، نومبر ۱۷۸۴ء بتایا ہے اور حاشیے میں وضاحت کی ہے کہ گلزار شجاعی کے بیان کے مطابق نواب نے دوسری مرتبہ آخر محرم ۱۱۹۸ھ میں پیلی بھیت کی طرف سفر کے لیے گئے۔ لیکن یہاں سے تین ماہ بعد ربیع الاول ۱۱۹۹ھ، جنوری ۱۷۸۵ء میں واپسی ہوئی (بحوالہ چہار گلزار، ص ۲۶۵) اس لیے یہ کتابت کی غلطی ہے اور اصل سنہ ۱۱۹۹ھ ہے۔(۷) ان کے برعکس ''کلیاتِ میر'' کے مرتب کلب علی خان فائق نے ''شکار نامہ دوم'' کے حاشیے میں نجم الغنی خان کے اس بیان کو کہ نواب ۱۲۰۱ھ میں بہرائچ گئے؛ بنیاد بنا کر ''شکار نامہ اول'' کا سال تصنیف ۱۲۰۱ھ متعین کیا ہے اور گمان ظاہر کیا ہے کہ ''مثنوی شکار نامہ دوم'' ۱۲۰۲ھ میں لکھی گئی ہو گی۔(۸) ''ذکرِ میر'' میں میر کے بیس سے زائد اسفار کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان اسفار نے یقیناً میر کی شخصیت کی تعمیر اور اس کے وژن کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہو گا۔ میر کو کائنات کے مشاہدے اور فطرت کے مطالعے کے مواقع بھی میسر آئے ہوں گے مگر نشان خاطر رہے کہ یہ سفر میر نے ہندوستان کے چند بڑے شہروں کے مابین ضرورت، مجبوری اور تلاش معاش کے تحت اختیار کیے ہیں جب کہ بہرائچ اور پیلی بھیت کے سفر معاشی بے فکری کے ساتھ سیر و سیاحت اور شکار کی غرض سے اختیار کیے گئے، اس لیے ان اسفار کی نوعیت دوسری ہے۔ بہرائچ ریاست اتر پردیش میں لکھنؤ سے ۱۰۷ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے گھاگھرا کے کنارے آباد ہے۔ یہ سرسبز جنگلاتی مقام ہے (اس زمانے میں تو یقیناً تھا)۔ جب کہ پیلی بھیت نیپال کی سرحد پر شیوالک پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ہے۔ یہ دریائے گومتی کا منبع ہے نیز گھنے جنگلات اور جنگلی حیات سے مالا مال ہے۔ یہاں میر کو پہلی مرتبہ آزاد فطرت اور مقامی جنگلی حیات کے مشاہدے کا موقع ملا۔ شکار ناموں سے ظاہر ہے کہ یہاں میر، نواب کے لشکر کے ساتھ ویرانوں، بیابان، گھنے جنگلات، پہاڑوں، ندی، نالوں اور دریاؤں سے گزرے۔ موسموں کے اتار چڑھاؤ کا سامنا کیا اور مختلف کیفیات کا مشاہدہ کیا۔ انھوں نے مقامی ''فلورا اینڈ فانا'' کو براہِ راست اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ شکار ناموں میں جنگلی حیات اور نباتاتی زندگی کے پر زور بیان میں شاعر کے تخیل اور مبالغہ

آرائی کا کتنا دخل ہے لیکن براہ راست مشاہدے کی شمولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان مثنویات کا طرز اظہار خالص راعیانہ (Pastoral) ہے اور یہ مقاماتی ادب (Literature of PLace) کی عمدہ مثال بھی ہیں۔

شکار نامہ اپنی ہیئت کے لحاظ سے مثنوی اور موضوع کے اعتبار سے مختلف اصناف کا کولاژ ہے۔ اس میں مثنوی کا بیانیہ بھی ہے؛ قصہ بھی؛ ممدوح کا قصیدہ بھی اور جنگ نامہ بھی ہے۔ منظر نگاری لا محالہ اس کا حصہ بنتی ہے اور شاعر اپنے شوق سے غزل بھی شامل کرتا ہے۔ (میر کے شکار نامہ اول میں سات اور شکار نامہ دوم میں گیارہ غزلیں شامل ہیں)۔ ان میں سے ہر صنف کی بنیادی شعریات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ غزل اور مثنوی اگر فطرت کو ترجیحی انداز میں پیش کرنے کا رجحان رکھتی ہیں تو قصیدہ اور جنگ نامہ کی شعریات بشر مرکزیت سے عبارت ہے۔ چناں چہ شکار نامہ بیک وقت فطرت اساس بھی ہوتا ہے اور بشر مرکزی بھی۔ شکار نامہ کسی خاص مقتدر شخصیت کی جرأت، شجاعت اور جنگی مہارت کی تحسین مبالغہ آرائی کی سطح پر کرتا ہے۔ یوں قصیدے کی طرح ممدوح کا ایک سورمائی (Heroic) تصور قائم کرتا ہے۔ یہ سورمائی تصور خالص بشر مرکزیت کا حامل ہوتا ہے۔ سورما کی عظمت کا یہ مینار فطرت کی تسخیر سے قائم ہوتا ہے۔ سورما برتر، بااختیار اور طاقت ور ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابل فطرت اور اس کے مظاہر کم تر، بے اختیار اور کمزور ہوتے ہیں۔ یہ صنف کا تقاضا اور شاعر کی مجبوری ہے کہ وہ اپنے ممدوح کی عظمت ثابت کرنے کے لیے دیگر فطرتی مظاہر کو اس کے مقابل کمزور اور کم تر دکھائے اور اپنے ممدوح کو فطرت کے استحصال کا حق تفویض کرے۔ چناں چہ شکار ناموں کے آغاز میں جب ممدوح اپنے لاؤ و لشکر کے ساتھ جنگل میں وارد ہوتا ہے اور آمادہ ء شکار ہوتا ہے تو اس کی ہیبت سے جنگل کے زور آور مکین بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی تلوار جانوروں اور پرندوں کو تہ تیغ کرتی چلی جاتی ہے۔ میر کے شکار ناموں کے ابتدائی حصوں سے یہ چند اشعار دیکھیے:

عجب تر ہے یہ صید کرنے کا ڈھنگ
کہ چو رنگ ہاتھی ہوئے بید رنگ
نہ چیتل، نہ پاڑھا، نہ ارنا، نہ شیر
ہوئے گولیاں کھا کے یک لخت ڈھیر

درندوں کا پیدا نہ نام و نشاں
نہ شیر ژیاں و نہ پیلِ دماں(۹)

شکار نامہ اول

بحار و صحاری پہ ہے عرصہ تنگ
’مگر‘ یاں سراسیمہ ہیں واں پلنگ
چکارے ہرن دونوں اندیشہ مند
دِلوں میں ہراسِ کمان و کمند
کہیں گرگِ وادی کو فکرِ گریز
نظر ایدھر،اودھر کرے شیرِ تیز(۱۰)

شکار نامہ دوم

شکار بذاتِ خود ایک فطرت دشمن عمل ہے۔ یہ عمل فطرت کی تسخیر، تحقیر اور استحصال سے مکمل ہوتا ہے۔ بہ طور مثال پیش کیے گئے مذکورہ بالا اشعار میں جس وحشت، خوف اور بربریت کا نشان ملتا ہے؛ اسے شاعر کا ذاتی نقطہء نظر قرار نہیں دیا جا سکتا؛ یہ شکار نامے اور جنگ نامے جیسی اصناف کا تقاضا ہے۔ اس کا سبب تاریخی بھی ہے اور سماجی بھی۔ انسان پسندی() کا فلسفہ نشاۃ ثانیہ کے زمانے سے تمام انسانی علوم اور ادب میں راسخ چلا آتا ہے۔ اس فلسفے نے مظاہر پسندانہ فکر(Animistic) کو مرکز سے بے دخل کر کے اس خیال کو عام کیا کہ انسان اس کائنات کا واحد متکلم موضوع ہے۔ چناں چہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ فطرت کو اپنی آسائش اور ترقی کے لیے جیسے چاہے استعمال کرے۔ اس مفروضے نے انسان اور فطرت کے مابین اس ثنویت کو جنم دیا جو انسان کو برتر اور فطرت کو کمزور اور مفتوح قرار دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شکار جیسے فطرت مخالف عمل کو نہ صرف انسانی سماج میں جگہ ملی بلکہ اسے بہادری اور شجاعت کی علامت بھی سمجھا گیا۔ انسانی عظمت کو باور کرانے کے لیے جب شکار اور جنگ جیسے موضوعات ادب کا حصہ بنے تو وہ اصناف وجود میں آئیں جن کی شعریات انسان پسندی کے فلسفے سے متشکل ہوتی ہیں۔ دوم میر جس عہد اور سماج سے تعلق رکھتے ہیں اس عہد میں شعرا کی بود و باش کا انحصار بادشاہوں اور نوابین کے درباروں سے وابستگی اور ان کی طرف سے عنایت کیے گئے وظائف اور انعام و اکرام پر ہوتا تھا۔ اس معاشی ضرورت نے یہاں قصیدے کی شعریات کو ایک نیا رُخ دیا۔ یہ رُخ ممدوح کی مبالغہ آمیز تحسین کرتا

ہے۔ گزشتہ سطور میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ شکار نامے کا ایک بڑا حصہ قصیدے کے قریب تر ہوتا ہے۔ لہٰذا میر کے شکار ناموں میں انسان کی غلبہ پسندی میر کا تصور فطرت نہیں بلکہ اس صنف کا تقاضا اور شاعر کی سماجی ضرورت ہے۔ فطرت کے متعلق میر کا ذاتی نقطہ ءنظر وہی ہے جس کا ذکر ہم مثنویات کے ضمن میں کیا ہے یا جو شکار ناموں کے ان اشعار سے مترشح ہے جہاں وہ پرندوں، جانوروں، درختوں، دریاؤں، پہاڑوں اور میدانوں کو ذکر کرتے ہیں:

کہیں جی اُٹھی تھی زمیں بعد مرگ
نہال اس کے خوش قد بسیار برگ
نہ بستی سے صحرا تلک سبز تھے
نظر جائے جس جا تلک سبز تھے
ہوا دلکش و ہر طرف سبزہ زار
کہ سرسوں نے کی تھی قیامت بہار

فطرت کی یہ حسین تصویریں میر نے محاکات اور مرقعوں کی صورت میں پیش کی ہیں۔ ان محاکات اور مرقعوں کو ہم عمومی مثنویات میں پیش کیے گئے مرقعوں کے مماثل نہیں شمار کر سکتے۔ وہ ایک پابند، آراستہ اور اشرافیائی فطرت کے مرقعے ہیں؛ یہ آزاد اور خالص فطرت کی تصویریں ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے میر نے شعوری طور پر صنف کے بنیادی اصولوں سے انحراف کیا ہے۔ جانوروں کی خون ریزی، قتل عام اور ممدوح کی شجاعت کا بیان خارجی دباؤ اور ضرورت تھی جب کہ فطرت کا آزادانہ تجربہ، اس سے مکالمہ اور اس کی تحسین میر کی شخصیت کا داخلی تقاضا۔ شکار کی تصویر کشی کرتے ہوئے میر بار بار گریز کرتے ہیں اور ان کی فطرت شناس نظر بار بار مناظر اور مظاہر کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہاں میر کی قادرالکلامی اور اپنے فن پر دسترس بھی قابل داد ہے کہ بار بار گریز کے باوجود مثنوی کا بیانیہ تعطل کا شکار نہیں ہوتا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ فطرت یہاں شکار، جنگ یا ممدوح کی عظمت کے لیے کسی پس منظر کے طور پر روبہ عمل نہیں ہوتی بلکہ اپنی جداگانہ حیثیت میں پیش منظر پر رہتی ہے۔ انیسویں صدی میں انجمن پنجاب کی تحریک نے ایک منصوبے کے تحت جس نیچرل شاعری کے رواج پر زور دیا تھا اس کے ابتدائی آثار ان شکار ناموں میں بہ آسانی تلاش کیے جا سکتے ہیں؛ اس فرق کے ساتھ کہ فطرت کا یہ تخلیقی اظہار کسی استعماری منصوبے کا حصہ نہیں تھا۔

اردو میں میر کی شاعری پر قائم ہونے والا تنقیدی کلامیہ بالعموم میر کی غزل اور عشقیہ مثنویات کو موضوع بناتا ہے۔ اس ڈسکورس میں میر کی فطرت نگاری اور ماحولیاتی شعور کو حسبِ خاطر حصہ نہیں ملا۔ میری نظر سے اردو میں صرف دو ایسے مضامین گزرے ہیں جن میں خصوصیت سے اس منفرد جہت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان میں ایک شمس الرحمٰن فاروقی کا مضمون ''میر صاحب کا زندہ عجائب گھر: کچھ تعجب نہیں خدائی ہے'' ہے اور دوسرا ڈاکٹر سید عبداللہ کا ''میر اور نیرنگ عناصر'' ہے۔ فاروقی صاحب نے غزل سے زیادہ میر کی مثنویوں کا مربوط مطالعہ کیا ہے اور ان میں جانوروں، پرندوں، نباتات اور خوردنی اشیا کے ذکر کی کثرت سے میر کے جہانِ دیگر کو دریافت کیا ہے۔ وہ اشیا و مظاہر کی کثرت کے حوالے سے میر کا موازنہ نظیر واکبر سے اور جانوروں سے محبت کی نسبت سے فرانسیسی شاعر بادلیئر سے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطالعے کا مرکز میر کی غزل میں عناصر کی نیرنگی ہے۔ وہ ان فطرتی مظاہر کی نیرنگی کو فلسفیانہ تناظر میں دیکھتے ہیں اور مثنویات میں فطرت کے آزادانہ ظہور کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

> میر کے شکار ناموں اور مثنویوں بھی بہار اور ہجوم گل ولالہ کے مرقعے ہیں مگر جزیات کے حقیقی اور ٹھوس ہونے کے باوجود ان کے تاثر میں خلوص اور جذباتی سچائی معلوم نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ عناصر فطرت کے متعلق ان کا صحیح جذباتی رد عمل ان کے اشعار غزل ہی میں ظاہر ہوا ہے، جہاں شاعر نے غیر شعوری طور پر مطالعہ فطرت اور مشاہدہء قدرت کے متعلق اپنے تاثرات کو اپنے شعروں میں جذب کر لیا ہے اور جس بے ساختگی اور تکرار سے فطرت کے متعلق اپنے جذباتی مطمح نظر کا اظہار کیا ہے، اس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہی ان کا سچا تاثر ہے۔ (۱۲)

اسی مضمون میں وہ آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں:

> ان کے تاثر پر ان کے نظریہ زندگی اور طرز احساس کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ گویا مشاہدہء فطرت کے سلسلے میں ان کی نظر اور ان کے نظریے کے مابین مستقل جنگ برپا معلوم ہوتی ہے۔ ان کی نظر کو اشیائے فطرت میں حسن کی جو جھلک نظر آتی ہے، ان پر ان کا احساسِ الم رنگ چڑھا دیتا ہے۔ بہر حال ان کا مشاہدہء حسن ان کے غم آلود نظریے کے تابع ہے۔ (۱۳)

سید عبداللہ کی رائے میر کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں راسخ ہو جانے والے عمومی نظریات سے متاثر معلوم ہوتی ہے۔ یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کہ میر کی شاعری کا غالب حصہ ان کے اس تصور زندگی اور تصور غم کے

تابع ہے جو زندگی، اشیا اور مظاہر کی بے ثباتی اور فنا پذیری پر مسلسل غور و تدبر کرنے سے ترتیب پاتا ہے۔ یہ میر کی شاعری کا غالب حصہ ضرور ہے لیکن کل نہیں ہے۔ میر کے کلام میں سے اس کے تصور فطرت اور نشاطیہ آہنگ کو بے دخل نہیں کیا جا سکتا نہ ہی مظاہر فطرت سے میر کی وابستگی، یک دردی اور انسیت کو غم اور الم پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ دوم سید صاحب نے میر کی غزل کا ترجیحی مطالعہ کیا ہے اور یہ رائے قائم کرتے ہوئے غزل اور مثنوی کی شعریات میں بنیادی فرق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس فرق پر ہم مضمون کے شروع میں بحث کر چکے ہیں کہ غزل کا مزاج داخلی ہے نیز غزل کی ہیئت ایجاز و اختصار کا تقاضا کرتی ہے اور اس کی زبان مجازی و استعاراتی ہے۔ جب کہ مثنوی بیانیہ صنف ہے اور اس میں راست طرز اظہار اختیار کرنے کی گنجائش بھی زیادہ ہے۔ اس لیے یہ فطرت کے ساتھ براہ راست رشتہ استوار کرتی ہے اور اس کے مظاہر میں کسی فلسفیانہ معانی کی تلاش کے بجائے فطرت کی خود مختار حیثیت کو پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ چناں چہ یہاں تخیلاتی رشتہ استوار کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی؛ فطرت کسی دوسرے کا قائم مقام ہونے کے بجائے؛ فلسفیانہ، اخلاقی مفاہیم کی ترسیل میں معاون بننے کے بجائے اپنی اصل حالت میں اپنے خود کے معانی کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ ''خلوص'' اور ''سچائی'' کا معیار اگر انسانی دنیا کا خلق کردہ نہیں ہے اور اس سے مراد بذات خود فطرت سے خلوص اور سچائی ہے تو اس کا مظاہرہ میر کے شکار ناموں میں پوری جذباتی شدت اور سچائی سے ہوا ہے:

کنارے پہ تھی اس کے اک گل زمیں
سراسر ہری جوں زمرد نگیں
جہاں تک نظر جائے شاداب تھی
کہ یک دست واقع لب آب تھی(۱۴)

شکار نامہ دوم

عجب لطف کا تھا وہ کوہِ گراں
کہ صد چشمہ کا اس میں پانی رواں
شجر سبز و پتھر بہت صاف تھے
سبھی جیسے الماس شفاف تھے

ہو ایک ابر اس جبل سے بلند
ہوا پر بچھی اس کی یزدی پرند(۱۵)

شکار نامہ دوم

فطرت نگاری فطرت کے معروف آر کی ٹائپ کی نمائندگی کرتی ہے یعنی صرف فطرت کے مہربان اور خوبصورت رُخ کو پیش کرتی ہے اس کے برعکس ماحولیاتی ادب فطرت کو اس کی کلی حیثیت میں پیش کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ اردو میں نیچرل شاعری اور رومانی تحریک کے زیر اثر تخلیق ہونے والی شاعری فطرت نگاری کی عکاس ہے بعینہٖ کلاسیکی شاعری بالخصوص مثنوی کے وہ حصے جن میں فطرت کے حسین مرقعے پیش کیے گئے ہیں فطرت کے مہربان رُخ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ غزل میں فطرت کا غضب ناک پہلو جہاں کہیں (برق، رعد، باراں، سیلاب، آتش، خار وغیرہ کی صورت میں) اگر آیا بھی ہے تو تقدیر کے جبر، محبوب کے ستم اور عاشق کی بے بسی اور اس کے جذبات میں شدت کو نمایاں کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نیز اردو غزل اور مثنوی کی شعری روایت فارسی کے زیر اثر رہی ہے؛ اس کے بیشتر استعارے، تشبیہیں، تلمیحات اور تلازمے فارسی روایت سے مستعار ہیں۔ اس میں فطرت کا براہ راست مشاہدہ کم ہے اور اگر ہے بھی تو یہ شہری تہذیب کی پروردہ ایک آراستہ فطرت ہے۔ نظیر اکبرآبادی نے جن عام اور معمولی اشیاء و مظاہر کو اپنے شعری نظام میں جگہ دی، ان کا تعلق بھی شہری زندگی سے ہے۔ میر کے زمانے تک اردو میں منظوم سفر نامے کی باقاعدہ روایت موجود نہیں تھی۔ میر کی مثنوی ''نسنگ نامہ'' میرٹھ تک کے سفر کی منظوم داستان ہے جس میں شاعر نے راستے میں پیش آنے والی مشکلات بالخصوص برسات کی وجہ سے اٹھائی جانے والی صعوبتوں کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ شکار نامے شہری مراکز سے دور بہرائچ اور کوہ شمالی (پیلی بھیت) کے پہاڑوں اور جنگلات میں سفر اور قیام کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہ میر کا آزاد فطرت کا اولین مشاہدہ تھا (شاید واحد بھی)۔ یہاں فطرت کا حسن، اس کی رنگا رنگی اور تنوع میر کو حیرت اور استعجاب میں مبتلا کرتی ہے اور اس کا رومانی اور جذباتی تاثر نشاطیہ آہنگ اختیار کر لیتا ہے۔ ماحولیاتی ادب نے جن پیرایہ ہئے اظہار کو اختیار کیا ہے ان میں فطرت نگاری اور منظر نگاری (Landscape Writing) کے ساتھ بن نگاری (Wilderness Writing) اور راعیانیت (Pastoralism) سب سے نمایاں ہیں۔ یہ پیرایہ ہائے اظہار آراستہ فطرت کے مقابل غیر آلودہ، خام اور خالص فطرت کو پیش کرتے ہیں۔ شکار ناموں سے اس طرزِ اظہار کی یہ مثالیں دیکھیے::

بیابان وحشت اثر، پُر خطر
یہی ڈر ہے ڈر، کیا ادھر، کیا اُدھر
جہاں تک نظر جائے سوکھی ہے کانس
اگر سبزہ بھی تھا تو تھوہر کا کانس(۱٦)

شکار نامہ اول

درختانِ بے برگ و بر بد نما
نہ اک شاخ پر مرغِ رنگیں نوا
بہت سر ملائے بہم تھے شجر
ولیکن نہ پایا کنھوں نے ثمر(۱۷)

شکار نامہ اول

صدا برگِ نَے کی نہایت مہیب
طریق عجیب و مسافر غریب
جنوں پیشہ وہ دشتِ وحشت شعار
کہ فیل اس کے طفلان ، بازی مدار
کہیں پانی آیا سو حالت خراب
کہ تھا زیرِ کاہ اس ہیں سر جائے آب(۱۸)

شکار نامہ دوم

میر کی فطرت شناس نظر صرف فطرت کے حسین منظر تک محدود نہیں رہی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ شکار نامے عام معروف مثنویوں سے زیادہ کچھ نہ ہوتے۔ میر کا انفرادیہ ہے کہ اس کا ماحولیاتی شعور فطرت کے ان بد رنگ نظرانداز کردہ حصوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے جو میر کے زمانے تک کبھی مرکزی شعری روایت کا حصہ نہیں بنے تھے۔ میر نے سفر کے تسلسل، جنگل اور دامن کوہ میں دن رات کے قیام، موسموں کے تغیر و تبدل، ان کے اثرات، راستوں کے نشیب و فراز، ندیوں کے اتار چڑھاؤ اور فطرت کے اوجھل مناظر کو زندہ

محاکات کی صورت میں پیش کیا ہے۔ہندوستان کی مقامی ماحولیات اور جنگلی حیات کا یہ راعیانہ (Pastoral)طرزِ اظہار ایک مقابل تہذیب کو پیش کرتا ہے؛ایک ایسی تہذیب جسے ابھی دستِ انساں نے نہیں چھوا تھا۔ جنگل اور جنگلی حیات کے متعلق میر کی معلومات بھی حیران کن ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے ان طیور و بہائم کی ایک فہرست مرتب کی ہے جن کا ذکر میر نے اپنے شکار ناموں میں کیا ہے۔اس فہرست کے مطابق شکار نامہ اول کے ابتدائی چالیس اشعار میں ۲۷ جب کہ شکار نامہ دوم کے اولین پچپن اشعار میں ۵۳ جانوروں اور پرندوں کے نام آئے ہیں۔(۱۹)ڈاکٹر جمیل جالبی نے میر کے شکار ناموں کو میر کی شعری دنیا میں ایک ''جزیرے'' سے تشبیہ دی ہے۔(۲۰)بلاشبہ یہ شکار نامے میر کے وسیع شعری سمندر میں ایک جزیرہ ہیں لیکن ایک ایسا خوبصورت اور منفرد شعری جزیرہ جس کی دوسری مثال اردو کے کلاسیکی ادب میں کم ہی ملے گا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ میر تقی میر،کلیات میر،جلد اول،لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۸۶ء،ص ۴۰۲

۲۔ میر تقی میر،کلیات میر،جلد دوم،لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۹۱ء،ص ۲۵۹

۳۔ کلیات میر (جلد ششم) مرتبہ: کلب علی خان فائق(لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۸۴) میں مثنویات کی تعداد ۳۹ ہے۔جب کہ کلیات میر مرتبہ: احمد محفوظ(نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو،۲۰۱۳،طبع دوم) میں مثنویات کی تعداد ۳۸ بتائی گئی ہے۔مرتب کا کہنا ہے کہ ــ"مثنوی در مادہ ء سگ" ایک ذیلی عنوان ہے،الگ مثنوی نہیں ہے۔دراصل یہ "مثنوی در سگ و گربہ کہ در خانہ ء فقیر بودند و بہم رابطہ داشتند" کا حصہ ہے۔(دیباچہ،جلد دوم،ص ۱۸) متن کے مطالعے سے یہ رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ ڈاکٹر جمیل جالبی،تاریخ ادب اردو،جلد دوم،لاہور: مجلس ترقی ادب (طبع ششم)،۲۰۰۹ء،ص ۶۳۲

۵۔ قاضی عبدالودود،میر کے حالات زندگی مشمولہ میر شناسی: منتخب مضامین،مرتبہ: ڈاکٹر تحسین فراقی،ڈاکٹر عزیز ابن الحسن،لاہور: نشریات،۲۰۱۱ء،ص ۳۱

۶۔ میر نے لکھا ہے:

(ترجمہ) "یہاں فقیر نواب عالی منزلت کے ساتھ ہے اور ان کی دعا گوئی میں بسر کر رہا ہے۔بندگان عالی شکار کے لیے بہرائچ تک گئے۔مین بھی رکاب میں تھا۔ایک "شکار نامہ" موزوں کیا۔دوبارہ پھر شکار کے لیے سوار ہوئے اور کوہ شمالی کے دامن تک تشریف لے گئے۔اگرچہ لوگوں نے اس دور دراز سفر کے نشیب و فراز سے بڑی زحمتیں اٹھائیں مگر انھوں نے ایسی فضا،ایسی ہوا اور ایسا شکار کبھی نہ دیکھا تھا۔تین مہینے کے بعد اپنے دارالقرار (لکھنؤ) میں آئے۔فقیر نے دوسرا شکار نامہ کہہ کر حضور ہیں پڑھا۔"

[نثار احمد فاروقی (مترجم)،میر کی آپ بیتی،ترجمہ: ذکر میر،دہلی: انجمن ترقی اردو،ہند،۱۹۹۶ء،ص ۲۰۴۔۲۰۵]

۷۔ نثار احمد فاروقی (مترجم)،میر کی آپ بیتی،ترجمہ: ذکر میر،دہلی: انجمن ترقی اردو،ہند،۱۹۹۶ء،ص ۲۰۴

۸۔ کلب علی خان فائق،مرتب: کلیات میر (جلد ششم)،لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۸۴،ص ۳۵۲

۹۔ میر تقی میر،کلیات میر (جلد ششم)،مرتبہ: کلب علی خان فائق،لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۸۴،ص ۳۱۶

۱۰۔ ایضاً ً،ص ۳۵۳

۱۱۔ ایضاً ً،ص ۲۵۹

۱۲۔ ڈاکٹر سید عبداللہ،میر اور نیرنگ عناصر مشمولہ میر شناسی: منتخب مضامین،ص ۱۹۲

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۹۵

۱۴۔ میر تقی میر، کلیات میر (جلد ششم)، ص ۳۷۹

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۳۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۳۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۳۶

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۶۸

۱۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی۔ میر کا زندہ عجائب گھر مشمولہ کلیات میر، مرتبہ: احمد محفوظ، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۱۳، (طبع دوم)، ص ۶۴

۲۰۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد دوم)، لاہور: مجلس ترقی ادب، (طبع ششم)، ۲۰۰۹ء، ص ۶۳۷